© rasailojaraid.com

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ

الفاظ "انجیل، تورات اور زبور" کی لغوی تحقیق

[ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (۱۹۰۱ء - ۱۹۷۹ء) ماضی قریب کے ان اہل علم میں سے تھے جو اپنی علمی زندگی کے آغاز میں ہی "ہفت زبان" عالم کی حیثیت سے معروف ہو گئے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو کے ساتھ وہ مغربی زبانوں میں سے انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی اور ہسپانوی جانتے تھے۔ ان مغربی زبانوں کے علمی سرمائے سے انہوں نے نہ صرف اپنی تحقیقی کاوشوں میں استفادہ کیا بلکہ ان زبانوں میں شائع شدہ بعض مقالات کو اردو میں بھی منتقل کیا۔ اطالوی مستشرق پرنس کائتانی کی مرتبہ "تاریخ اسلام" کا دیباچہ ان کی کاوش سے ہی اردو دان طبقہ پڑھ سکا تھا۔

مشرق و مغرب کی متعدد زبانیں جاننے کے باعث انہیں الفاظ کی تحقیق اور اشتقاق سے خصوصی دلچسپی تھی۔ اس دلچسپی کا اظہار یوں تو ان کی اکثر تحریروں سے ہوتا ہے تاہم زندگی کے آخری آٹھ دس برسوں میں یہ موضوع، بالخصوص، ان کے غور و فکر کا مرکز رہا۔ فروری تا ستمبر ۱۹۷۰ء کے "اورینٹل کالج میگزین" (پنجاب یونیورسٹی - لاہور) میں ان کا ایک طویل مقالہ "تحقیق اللغات" شائع ہوا، جو بعد میں حذف و اضافہ اور ترتیب کی مناسب تبدیلیوں کے ساتھ ماہنامہ فکر و نظر (اسلام آباد) [بابت دسمبر ۱۹۷۱ء و جون ۱۹۷۲ء] میں اشاعت پذیر ہوا۔

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے مزید الفاظ کی لغوی تحقیق اور اشتقاق کا کام جاری رکھا اور اس سلسلے کا ایک اور مضمون فروری و مئی ۱۹۷۶ء کے "اورینٹل کالج میگزین" میں پہلے مقالے کے تکملہ و تتمہ کے طور پر شائع ہوا۔

ماہنامہ "فکر و نظر" میں شائع شدہ مقالے میں ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے ابتداً مفسرین کرام کے درمیان موجود اس اختلاف نظر پر بحث کی ہے کہ آیا قرآن مجید میں عجمی زبانوں کے قرآنی الفاظ موجود ہیں یا نہیں اور پھر عجمی زبانوں کے ۲۴ الفاظ کی لغوی تحقیق پیش کی ہے۔ آئندہ صفحات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر مرحوم کے مقالے کا ابتدائی حصہ اور تین الفاظ — انجیل، تورات اور زبور — کے بارے میں ان کی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں عجمی الفاظ کے استعمال کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے، تعصّب سے خالی نہیں۔ غیر مسلم مستشرقین کے تعصّب کی کیفیت تو دوسری ہے، خود مسلمان اہل علم بھی بعض اوقات زبان کے تعصّب کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس موضوع پر متعدد کتب اور مقالات لکھے گئے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

*آرتھر جیفری، The foreign Vocabulary of the Quran، بڑودہ: اورینٹل انسٹی ٹیوٹ (۱۹۳۶ء)

*شوکت سبزواری، قرآن میں عجمی الفاظ، ماہنامہ فکر و نظر (اسلام آباد)، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ۶۶۴ - ۶۷۴

*علی محسن صدیقی، قرآن میں غیر عربی الفاظ کی حقیقت، ماہنامہ چراغ راہ (کراچی)، مئی ۱۹۶۸ء، ص ۴۳ - ۵۳ —— مدیر]

آیا قرآن شریف میں عجمی الفاظ پائے جاتے ہیں یا وہ "عربی مبین" ہونے کی حیثیت سے غیر زبانوں کے الفاظ سے بالکل پاک ہے، اس مسئلہ پر آئمہ اسلام دو گروہوں میں منقسم ہیں اور انہوں نے اپنی اپنی رائے کے حق میں بہت سے دلائل دیے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عکرمہ اور مجاہد اس بات کے قائل تھے کہ قرآن پاک میں عجمی زبانوں کے الفاظ پائے جاتے ہیں اور انہوں نے متعدّد الفاظ مثلاً سجّیل، مشکوٰۃ اور یَم کے متعلق تصریح کی ہے کہ یہ عجمی ہیں۔ بعض دیگر مفسرین بھی اس بات میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے کہ قرآن میں عجمی الفاظ کے وجود کا اعتراف کریں۔ کیوں کہ ان کی یہ رائے ہے کہ جو عجمی الفاظ معرب بن جائیں اور عربی قالب میں ڈھال لیے جائیں، ان کا استعمال مخلِ فصاحت نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ عسیر الفہم نہیں رہتے بلکہ قریب الفہم بن جاتے ہیں۔

لیکن اس قول کے برعکس بہت سے آئمہ مثلاً امام شافعی، امام ابن جریر طبری، ابوعبیدہ، مَعمر بن مثنیٰ، قاضی ابو بکر باقلانی اور ابن فارس قزوینی (م ۳۹۵ھ) قرآن پاک میں عجمی کلمات کے منکر ہیں۔ ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ اس کی زبان "عربی مبین" ہے اور وہ ایسی واضح زبان میں نازل ہوا ہے کہ جس کو عرب لوگ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔

اِنّا جَعَلْنٰہُ قُرْاٰناً عَرَبِیًّا (الزخرف:۳)

اس کے علاوہ خداوند کریم فرماتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم:۴)

ان کے دیگر ہم خیال علماء نے بھی یہ دلیل پیش کی ہے کہ قرآن میں عجمی الفاظ کے وجود کو تسلیم کرنے سے عربی زبان پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ ناقص اور نامکمل ہے اور آسمانی پیغام کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیغام کے لیے ایسی زبان اختیار کی جو سب زبانوں سے اکمل ہے اور ادائے مطلب کے لیے نبطی، فارسی اور سریانی زبانوں کی محتاج نہیں ہے۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ "اگر قرآن میں غیر عربی الفاظ آئے ہیں تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوگا کہ عربی دیگر زبانوں کے مقابلہ میں نامکمل ہے۔"[1]

امام طبری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن کے بعض الفاظ کی تفسیر میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ابن عباسؓ اور دوسرے مفسروں نے بعض الفاظ کو فارسی اور بعض کو حبشی یا نبطی بتایا ہے، تو دراصل یہ الفاظ کا توارد اور توافق ہے یعنی عربوں، ایرانیوں اور حبشیوں نے یکساں الفاظ کو اتفاقاً استعمال کیا ہے لیکن امام ممدوح کی یہ توجیہ تسلی بخش نہیں ہے کیوں کہ سینکڑوں الفاظ کے متعلق متعدد قوموں کا توارد، تجربہ اور قیاس کے خلاف ہے۔

ابو منصور ثعالبی (م ۴۲۹ھ) نے کتاب الجواہر میں اس مسئلہ کو یہ کہہ کر سلجھانے کی کوشش کی ہے کہ[2]

"قرآن مجید "مبین" یعنی صاف اور واضح زبان میں نازل ہوا ہے اور اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو عربی نہ ہو یا جسے کسی غیر زبان کی مدد کے بغیر سمجھا نہ جا سکے۔ قدیم عربوں کے شام اور حبشہ کے ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے اور وہ ان ملکوں کا سفر کیا کرتے تھے۔ انہوں نے عجمی کلمات اخذ کر لیے لیکن ان میں کچھ تبدیلیاں کر دیں مثلاً بعض حروف کو گرا دیا اور بعض عجمی الفاظ میں جو ثقالت تھی، اسے دور کیا اور پھر ان الفاظ کو اپنی شاعری اور گفتگو میں استعمال کیا۔ چنانچہ اس طرح سے وہ الفاظ خالص عربی الفاظ کی مثل بن گئے اور ان کے لٹریچر کے علاوہ قرآن میں بھی استعمال ہوئے۔ لہذا حقیقت یہ ہے کہ الفاظ پہلے عجمی تھے لیکن جب عربوں نے ان سے کام لیا اور ان کو معرب بنا لیا تو وہ الفاظ عربی بن گئے۔"

امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے بھی تقریباً اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور "اتقان" میں اس بحث کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا ہے۔[3]

"میرے نزدیک صحیح رائے وہ ہے جس سے دونوں قولوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ الفاظ اپنی اصل کے لحاظ سے عجمی ہیں لیکن جب وہ عربوں کے استعمال میں آئے اور انہوں نے ان کو معرّب بنا لیا اور ان کو تبدیل کر کے اپنے الفاظ کی صورت دے دی تو وہ الفاظ عربی بن گئے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب قرآن نازل ہوا تو یہ الفاظ عربوں کے کلام میں مخلوط ہو چکے تھے۔ لہذا جو شخص یہ بات کہے کہ یہ الفاظ اپنی موجودہ معرّب صورت میں عربی ہیں، تو وہ بھی سچا ہے اور جو شخص یہ کہے کہ وہ الفاظ اپنے اصل ماخذ کے لحاظ سے عجمی ہیں تو وہ بھی سچا ہے۔"

ابو منصور جوالیقی (م ۵۳۹ھ) اور ابن الجوزی بغدادی (م ۵۹۸ھ) اور دیگر علماء کے اقوال بھی اسی قول کے قریب قریب ہیں۔

[انجیل، تورات اور زبور ایسے قرآنی الفاظ ہیں] --- جن کے متعلق اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ اپنے اصلی ماخذ کے لحاظ سے عجمی ہیں، لیکن معرّب بننے کے بعد عربی زبان کا جزو بن گئے ہیں اور قرآن پاک نے ان کو جس بے تکلفی سے استعمال کیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول مقبول ﷺ کے اولیں مخاطب ان کے مفہوم و معنی سے بخوبی واقف تھے اور ان کا استعمال قرآن پاک کی زبان کے "مبین" ہونے میں کسی طرح حارج وحائل نہ تھا۔

انجیل

قرآن مجید کی رو سے انجیل وہ آسمانی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ انجیل کا لفظ قرآن پاک کی چھ مختلف سورتوں میں بارہ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ سورۃ المائدہ میں انجیل کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

وَقَفَّينَا عَلٰى اٰثَارِهِم بِعِيسَى ابنَ مَريَمَ مُصَدِّقاً لِّمَا بَينَ يَدَيهِ مِنَ التَّورٰةِ وَ اٰتَينٰهُ الانجِيلَ فِيهِ هُدًى وَّ نُورٌ

(ہم نے ان انبیاء کے بعد قدم بقدم حضرت عیسیٰ فرزند مریم کو بھیجا۔ جس نے پیش نظر تورات کی تصدیق کی اور ہم نے اسے انجیل دی۔ اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔)

قرآن پاک کے باقی مقامات میں بھی جہاں کہیں انجیل کا ذکر آیا ہے، اسی طور پر ایک الہامی کتاب کی حیثیت سے آیا ہے۔ لیکن جو انجیل آج کل عیسائیوں کے ہاں متداول ہے، وہ ایک انجیل نہیں بلکہ چار الگ الگ کتابیں ہیں جن میں سے ہر ایک انجیل کہلاتی ہے اور اپنے مؤلف کی طرف منسوب ہے۔ ان اناجیل اربعہ کو متی، مرقس، لوقا اور یوحنا نے (علماء مغرب کی تحقیق کے مطابق) حضرت مسیح علیہ السلام کے تقریباً ایک سو سال بعد تالیف کیا تھا۔ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے چند متفرق واقعات اور ان کے معجزات و کرامات کا ذکر آیا ہے۔ اور ان کے علاوہ ان کی تعلیم و تلقین بھی شامل ہے جو بیشتر وعظ و نصیحت کی صورت میں ہے اور جس میں پہاڑی والے وعظ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض عرب علماء نے [لفظ] انجیل کو عربی قرار دیا ہے اور اسے مادہ "نجل" سے مشتق کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن قاضی بیضاوی نے اس قول کو قبول نہیں کیا۔ ابو منصور جوالیقی اور شہاب الدین احمد خفاجی نے بھی انجیل کو معرّب بتایا ہے لیکن انہوں نے اس عجمی لفظ کی نشان دہی نہیں کی جس کی تعریب کی گئی ہے۔ ابو السعادات ابن الاثیر جزری نے "النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر" میں لکھا ہے کہ یہ کلمہ عبرانی ہے یا سریانی یا عربی۔ علامہ زبیدی صاحبِ تاج العروس نے بھی علماء لغت کے اس اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ بعض لوگ انجیل کو عبرانی کہتے ہیں، بعض سریانی اور بعض عربی۔ لیکن انہوں نے اس بارے میں خود کوئی قطعی بات نہیں کہی۔ علماء لغت کے نزدیک قولِ راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کسی غیر زبان کا لفظ ہے جسے معرّب کیا گیا ہے لیکن وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ لفظ کس زبان سے آیا ہے اور اس کی اصلی صورت کیا تھی۔

لفظ انجیل کے بارے میں مغربی علماء کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دراصل یونانی کلمہ Euaggelion ہے جو عبرانی یا ارامی کے توسط سے عربی میں آیا ہے۔ اس کے لغوی معنی بشارت ہیں اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور ان کے پیغام کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مروجہ اناجیل کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے پیغام کو آسمانی بشارت کہتے تھے جسے انہوں نے الخلیل اور فلسطین کے دیگر شہروں اور قوموں میں چل پھر کر سنایا اور اپنے حواریوں سے بھی کہا کہ "جاؤ! اور لوگوں کو خوش خبری دو کہ آسمانی بادشاہت کا وقت قریب آپہنچا ہے۔" لوقا کی انجیل (باب چہارم) میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہر ناصرہ میں یہودیوں کی عبادت گاہ میں گئے اور اشعیا نبی کی کتاب کھول کر یہ عبارت پڑھی کہ "خدا کی روح مجھ پر غالب ہے، کیوں کہ اس نے مجھ کو مسیح کہا تاکہ میں مساکین کو یہ بشارت سناؤں کہ اس نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں دل شکستہ لوگوں کو شفاء دوں، اسیروں کی آزادی کی منادی کروں، جو اندھے ہیں ان کو بینائی عطا کروں اور جو مظلوم ہیں ان کو آزاد کروں۔" چوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی تعلیم اور اپنے پیغام کو بشارت سے تعبیر کیا ہے، اس لیے وہ کتاب بھی جس میں ان کی سیرت اور ان کی تعلیم مدوّن اور محفوظ ہوئی، انجیل یعنی بشارت کہلائی۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اہل وطن کی زبان ارامی تھی، پھر ان کے پیغام کے لیے ایک یونانی لفظ کیوں مروّج ہوا۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کے زمانہ میں فلسطین اور مشرق وسطیٰ کے اکثر ملکوں میں کئی صدیوں سے یونانی ایک علمی زبان کی حیثیت سے رائج چلی آرہی تھی اگرچہ قدیم یونانی قوم کی حکومت زوال پذیر ہوچکی تھی لیکن ان کے علوم کا سکہ جاری تھا اور ان کی زبان کا علمی تسلط بہت سے ملکوں پر ہنوز قائم تھا لہذا حضرت مسیح کے حواریوں اور مبلغوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے دین کی اشاعت کے لیے اسی عالمگیر علمی زبان سے کام لیا چنانچہ اناجیل اربعہ جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالاتِ زندگی اور عقائد مندرج تھے، یونانی ہی میں لکھی گئیں اور چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے پیغام کو بار بار بشارت کہا تھا اس لیے وہ انجیل کے نام سے موسوم ہوئیں جس کے معنی خوش خبری کے ہیں۔

انگریزی زبان میں انجیل کے لیے گاسپل (Gospel) کا جو لفظ مستعمل ہے، اس کے معنی بھی بشارت ہیں۔ گاسپل گویا انجیل کا لفظی ترجمہ ہے۔ انگریزی لفظ Evangel بھی مذکوہ بالا یونانی کلمہ سے ماخوذ ہے چنانچہ اناجیل کے مؤلفین Four Evangelists کہلاتے ہیں۔

تورات

قرآن پاک کی رو سے تورات وہ الہامی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھی۔

تورات کا لفظ قرآن پاک میں اٹھارہ مرتبہ آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں ہے۔

اِنَّا اَنزَلنَا التَّورٰتَةَ فِیهَا هُدًی وَّ نُورٌ یَحکُمُ بِهَا النَّبِیُّونَ الَّذِینَ اَسلَمُوا لِلَّذِینَ هَادُوا وَالرَّبّٰنِیُّونَ وَالاَحبَارُ بِمَا استُحفِظُوا مِن کِتٰبِ اللّٰهِ وَ کَانُوا عَلَیهِ شُهَدَآءَ

(ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ فرماں بردار پیغمبر اسی کے مطابق یہود کے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں اور ان کے عالم اور فقیہہ بھی جو اللہ کی کتاب کے نگہبان ہیں اور اس کے شاہد ہیں۔)

تورات ایک عبرانی لفظ ہے جس کے لغوی معنے شریعت یا قانون (Law) کے ہیں۔ انگریزی میں تورات کو Torah کہتے ہیں۔

ہمارے بعض علماء نے تورات اور انجیل کو وری اور نجل سے مشتق بتایا ہے لیکن علامہ زمخشری نے اس قول کو قبول نہیں کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "تورات اور انجیل دونوں عجمی لفظ ہیں اور تکلف سے کام لے کر ان کو وری اور نجل سے مشتق بتانا اور ان کا وزن تفعلہ اور افعیل قرار دینا صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب یہ دونوں لفظ عربی ہوں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً پندرہ سو سال پیشتر کا ہے۔ اس دوران میں بنی اسرائیل پر بہت سے مصائب آئے اور طاقت ور ہمسایہ قوموں اور سلطنتوں نے ان پر کئی بار حملہ کیا اور ان کے ملک میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ ان انقلابات میں تورات بھی کئی بار برباد ہوئی لیکن بنی اسرائیل نے اسے ہر بار از سرِ نو مرتب کیا۔ علماء کا اندازہ ہے کہ تورات اپنی موجودہ صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً آٹھ سو سال پیشتر مرتب ہوئی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو تورات آج کل یہودیوں کے ہاں متداول ہے، وہ ذیل کی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ سفر التکوین (کتاب پیدائش) جس میں پیدائش عالم سے لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے تک کے حالات مذکور ہیں۔

۲۔ کتاب الخروج جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی اور بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے اور فرعون کے پنجۂ ستم سے نجات پانے کی کیفیت مندرج ہے۔

۳۔ للاویین

۴۔ العدد

۵۔ التثنیہ میں حضرت موسیٰ کی بقیہ زندگی کے حالات اور ان کی لائی ہوئی شریعت کی تفصیلات ہیں۔

مذکورہ بالا پانچ کتابوں کو انگریزی میں Books of Moses کہتے ہیں اور سورۃ اعلیٰ میں جن "صحفِ موسیٰ" کا ذکر آیا ہے ان سے شاید یہی کتابیں مراد ہیں۔ مغربی علماء کے ہاں ان کے لیے Pentatench کی اصطلاح بھی رائج ہے جس کے لفظی معنی "کتبِ خمسہ" ہیں۔

زبور

ازروئے قرآن مجید زبور وہ الہامی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد پر نازل کی تھی۔ قرآن پاک میں زبور کا ذکر حضرت داوٗد کے تعلق سے تین بار آیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔

وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا یعنی ہم نے داوٗد کو زبور دی۔ اور یہی الفاظ سورۃ النّسآء میں بھی آئے ہیں۔

اس کے علاوہ سورۃ الانبیاء میں بھی زبور سے ایک اقتباس منقول ہے:

وَلَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡ بَعۡدِ الذِّکۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ
(اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھا ہے کہ بے شک زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔)

جیسا کہ جوہری نے "صحاح" میں لکھا ہے۔ زبر کے معنی کتابت یعنی لکھنے کے ہیں اور زبر (کسرہ کے ساتھ) کتاب کو کہتے ہیں، جس کی جمع زبور آتی ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ زبور زبر (فتحہ کے ساتھ) سے مشتق ہے اور وہ فعول کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنے میں آیا ہے۔

قرآن پاک میں جمع کا صیغہ زبر (ضمہ کے ساتھ) چند بار الہامی کتابوں کے معنے میں آیا ہے اور ان آسمانی نوشتوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جن میں انسانی اعمال لکھے جاتے ہیں، لیکن اصطلاحی طور پر زبور سے مراد وہ الہامی کتاب ہے جو داوٗد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

حضرت داوٗد علیہ السلام نے یروشلم کو اپنا دارالحکومت بنایا اور اس کے قریب صیہون (Zion) کی پہاڑی پر ایک عالی شان خیمہ نصب کیا جہاں قربانی دی جاتی تھی اور اللہ کی عبادت کی جاتی تھی۔ انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس معبد میں خدا کی حمد و ثنا کے لیے سینکڑوں آدمی مقرر کیے۔ حضرت داؤد (خود بھی خوش گلو تھے اور خدا کی تعریف میں ترانے گاتے تھے اسی لیے آج تک لحن داؤدی ضرب المثل ہے۔

آج کل یہود کے مقدس مذہبی نوشتوں میں داؤد کے ترانے بھی شامل ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کی گئی ہے۔ ان کو عبرانی میں مزامیر داؤد اور انگریزی میں Psalms of David کہتے ہیں۔ ان مزامیر کی تعداد ایک سو پچاس ہے۔

حواشی

۱۔ بحوالہ الاتقان للسیوطی، جلد اول ص ۲۱۵

۲۔ علمائے لغت کی اصطلاح میں معرّب کسی عجمی زبان کا وہ کلمہ ہے جسے عربی میں اختیار کرتے وقت حروف کی کمی بیشی یا تبدیلی کے بعد عربی قالب میں ڈھال لیا جائے اور اسے عربی الفاظ کی شکل و صورت دے دی جائے۔

۳۔ الاتقان فی علوم القرآن، فصل فیما وقع لغیر لغتہ العرب

© rasailojaraid.com